© rasailojaraid.com

حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ

کی زندگی کے

۲ دو اہم سبق

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کی رحلت کے دوسرے دن دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جلسہ تعزیت ہوا، اس میں مولانا سید ابوالحسن علی میاں نے تقریر فرمائی — کسی قدر اختصار اور تلخیص کے ساتھ وہ تقریر ناظرین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

خطبۂ مسنونہ اور کچھ تمہیدی گفتگو کے بعد مولانا نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

میرا مولانا عبدالباری صاحبؒ سے ایک طرح کا خاندانی سا تعلق تھا اور مجھے اُن سے استفادہ کا بھی موقع ملا۔ اس بنا پر میں اُن کے احساسات اور نظریات سے واقف رہا ہوں، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ وہ اس قسم کے تعزیتی جلسوں کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اور اُن تمام رسمی جلسوں اور تقریبات کو ناپسند کرتے تھے جن کا ثبوت قرنِ اوّل اور صحابۂ کرام کی زندگی میں نہ ملے اور ان کے لئے شرعی دلیل نہ ہو۔ اس وجہ سے مجھے بہت تردد تھا کہ یہ جلسہ تعزیت کیا جائے یا نہ کیا جائے لیکن اس کے بعض ایسے مفید پہلو سامنے آئے جن کی بنا پر ہم نے جلسہ کا فیصلہ کیا اور میں اس وقت اُن ہی پہلوؤں کیطرف آپ لوگوں کو خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

پہلے میں مولانا کا مختصر تعارف کرا دوں — وہ دریا باد ضلع بارہ بنکی کے ایک بہت شریف انصاری خاندان کے فرد تھے، اُن کے والد صاحب حکیم عبدالخالق حضرت مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے جو حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے بعد بزرگان سلف کی یادگار اور علومِ شریعت کے جامع اور اس کے آخری نمونہ تھے۔ مولانا عبدالباری صاحب نے خود بیان فرمایا کہ جب میں پیدا ہوا تو والد صاحب مجھے لیکر اپنے شیخ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت اس کا نام رکھ دیں! مولانا نے فرمایا کہ: "خالق باری" پوری کرو نا! — خالق باری ایک کتاب کا مشہور نام تھا جو مکتبوں میں پڑھائی جاتی تھی، مولانا محمد نعیم صاحب کا مطلب یہ تھا کہ تمہارا نام عبدالخالق ہے اس کا نام عبدالباری رکھ دو۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اُس زمانہ کے شرفاء کے دستور کے مطابق، گھر پر پائی؟ اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جس کا قیام چند ہی سال پہلے ہوا تھا داخل ہوئے، ان کا داخلہ درجۂ سوم میں ہوا اور وہ یہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس تعلیم کے دوران میں کسی مضمون میں کمزوری کی وجہ سے ایک آدھ سال کے لئے وہ نگرام مولانا محمد ادریس صاحب کے پاس بھیج دئے گئے جو ہمارے شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس صاحب کے دادا تھے۔ مولانا عبدالباری صاحب فرماتے تھے کہ مجھے وہاں علمی فائدہ بھی ہوا اور دینی اور روحانی فائدہ بھی ہوا۔ اس کے بعد پھر دارالعلوم آگئے اور یہیں تکمیل کی، اس زمانہ میں یہاں علامہ شبلیؒ کا دور تھا، چونکہ شروع ہی سے مولانا کی پیشانی پر ذہانت کے نمایاں آثار تھے اس لئے جن ہونہار طالب علموں پر مولانا شبلی کی نظر پڑی ان میں مولانا عبدالباری صاحب بھی تھے۔

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ذہانت کے ساتھ انہوں نے ادبی ذوق بھی پایا تھا اور یہی چیز مولانا شبلی کی بارگاہ میں تقرب کا ذریعہ بنی مولانا کو فلسفہ اور علوم عقلیہ سے خاص طور سے مناسبت تھی، انہوں نے اپنے لئے اسی مضمون کا انتخاب کیا، پھر انہوں نے فلسفۂ جدید کا گہرا مطالعہ کیا، اس کے لئے انہوں نے پوری محنت اور توجہ سے انگریزی سیکھی اور اس میں اچھی مہارت پیدا کی اور جدید فلسفہ کا انگریزی میں مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے فلسفہ کے ایک اچھے عالم کی حیثیت حاصل کر لی۔ جدید فلسفہ کی بعض اہم کتابوں کا انہوں نے ترجمہ بھی کیا۔ اسی زمانہ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس غالباً احمد آباد میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں انہوں نے اپنا معرکۃ الآرا مقالہ پڑھا۔ جو "مذہب و عقلیات" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اور جو بقول حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ "اسلام کے دفاع کا ایک آہنی قلعہ ہے" اور مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی نے اس رسالہ کو پڑھ کر کہا تھا کہ "اس شخص کے ہاتھ پر فلسفہ مسلمان ہو گیا" الغرض فلسفہ میں ان کی قابلیت کا سکہ قائم ہو گیا۔ اسی قابلیت کی بنا پر وہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں فلسفہ کے استاد کی حیثیت سے بلالئے گئے۔ پھر وہ اسی یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ کے صدر ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کسی یونیورسٹی میں کسی اعلیٰ ڈگری کے بغیر کوئی اسٹاف میں نہیں آسکتا تھا، لیکن مولانا کے پاس ندوہ کی سند کے سوا کوئی سند نہ تھی، صرف اپنی قابلیت سے وہ ملک کی ایک عظیم یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ کے نہ صرف پروفیسر بلکہ صدر ہو گئے ____ اس وقت جامعہ عثمانیہ میں ہمارے مدرسوں کے دو عالموں کا سکہ بیٹھا ہوا تھا گویا طوطی بولتا تھا، ایک مولانا مناظر احسن گیلانی اور دوسرے مولانا عبدالباری صاحب ندوی حالانکہ ان دونوں کے پاس کوئی ڈگری نہ تھی مولانا گیلانی دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے ____ اور مولانا عبدالباری صاحب آپ کے اسی دارالعلوم کے فارغ التحصیل تھے۔

____ تو ایک بات تو مولانا کی زندگی سے یہ سیکھنے کی ہے کہ اصل چیز محنت اور قابلیت ہے۔ اگر یہ ہے تو آدمی اونچے سے اونچے مقام تک پہنچ سکتا ہے ____ میرے عزیزو! یہ بات لکھ لو کہ یہ سب خیالی طلسم ہے کہ جب تک ہمارے پاس ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہ ہو ہم کچھ نہیں کر سکتے اور ہماری کوئی قیمت نہیں، ڈگری والوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے پاس اگر قابلیت نہ ہو تو وہ بے ہتھیار کے سپاہی ہیں۔

دوسرا سبق جو مولانا عبدالباری صاحب کی زندگی سے ہم کو ملتا ہے اور ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے وہ یہ ہے کہ اتنا بڑا فلسفی الیسا متکلم، علامہ شبلی کا مایہ ناز شاگرد ندوہ کا ایک روشن خیال فاضل اپنی روحانی اور قلبی اصلاح کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور پھر اپنے کو مبتدی نہیں بلکہ ایک انجان آدمی تصور کرکے اپنی روحانی اصلاح کیلئے مولانا تھانویؒ کے حوالہ کر دیتا ہے۔

یہ توفیق ہمارے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کو دی، ایک علامہ سید سلیمان ندوی اور دوسرے مولانا عبدالباری ندویؒ۔ دونوں علم کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے تھے۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی طرح مورخین نے لکھا ہے کہ اُن کی مجلسیں دربار خلافت سے آنکھیں ملاتی تھیں اور دو دو سو طلبہ، نہیں بلکہ فارغ التحصیل فضلاء اُن کے درس میں بیٹھتے تھے۔ اُس وقت انہوں نے اپنے اندر یہ کمی محسوس کی کہ محسوسات اور بدیہیات پر جس درجہ کا یقین ہے غیبیات پر اُس درجہ کا یقین مجھے حاصل نہیں۔ جب تک غیبیات پر اس درجہ کا یقین مجھے حاصل نہ ہو میرا ایمان مکمل نہیں۔ اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں انہوں نے پوری تفصیل سے اپنی سرگزشت لکھی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ ہر طالب علم اُسے پڑھے —— بہرحال امام غزالیؒ کو جب اپنی اس کمی کا احساس ہوا تو ان کے لئے پڑھنا لکھنا بلکہ بولنا بھی مشکل ہو گیا، ہاضمہ تک متاثر ہوا۔ اُن پر سخت بے چینی طاری ہوئی۔ طبیبوں نے دیکھ کر کہا کہ ان پر کوئی ایسی فکر مستولی ہو گئی ہے جس نے پورے جسمانی نظام کو متاثر کر دیا ہے —— انہوں نے صحرانوردی کی، برسوں تک خاک چھانتے رہے۔ پھر اس کے بعد جامع اموی دمشق میں بیٹھ کر مراقبے کرتے رہے۔ مجاہدے کئے۔ جب حقیقت کا سرا اُن کو مل گیا تو وہاں سے واپس آئے اور پھر ملاحدہ اور باطنیہ کی تردید میں کتابیں لکھیں، پہلے درس دینا اور لکھنا کچھ اور تھا اب کچھ اور ہو گیا۔

ہمارے اس دور مادیت اور الحاد میں امام غزالیؒ کی اس علو ہمت اور صدقِ طلب کی دو مثالیں ہمارے آپکے ہی حلقہ میں ہمارے سامنے گذری ہیں۔ ایک مولانا سید سلیمان ندویؒ اور دوسرے مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ مجھے خوب یاد ہے ایک صاحب نے جو ہائی کورٹ کے جج رہ چکے تھے اور سید صاحب سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ حیرت اور شاید دکھ سے کہا کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ علامہ شبلی کے شاگرد ہو کر مولانا تھانوی کے مرید ہو گئے۔ مولانا تھانوی کو اُن کا مرید ہونا چاہیئے تھا۔ اور ندوی حلقہ میں بھی اس پر چہ میگوئیاں رہیں، لوگوں نے سید صاحب کو خطوط لکھے، خود سید صاحب نے ہمارے سامنے کہا "عجیب بات ہے کہ لوگ مجھے بڑا بھی مانتے ہیں اور احمق بھی سمجھتے ہیں اور مشورہ بھی دیتے ہیں کہ آپ کو تھانہ بھون نہیں جانا چاہیئے تھا، آپ نے ندوہ کی توہین کی، آپ دیوبند کے ایک عالم کے پاس گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام احمد بن حنبلؒ اپنے زمانہ کے ایک بزرگ کے پاس جایا کرتے تھے، اور روحانی استفادہ کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ استفادہ کیسے لیتے ایسے شخص کی صحبت میں بیٹھتے ہیں جو آپ کے درس میں بھی شریک ہونے کے قابل نہیں تو انہوں نے جواب دیا تھا۔

يَا بُنَيَّ إِنَّمَا يَجْلِسُ الْإِنْسَانُ — میرے عزیز! آدمی وہاں بیٹھتا ہے جہاں اس کو
حَيْثُ يَجِدُ صَلَاحَ قَلْبِهِ ۔ — اپنی روح اور دل کا فائدہ نظر آتا ہے۔

میرے عزیزو! کیا ہمیں دل کے علاج کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اپنے دل کو حرارت سے اور نور یقین سے بھرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے اور آپ کے دو بزرگوں کی یہ مثال ہمارے سامنے ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی جو بلاشبہ ہمارے عہد کے عظیم ترین مصنف تھے اور مولانا عبدالباری ندوی جو ایک مسلّمہ متکلم اور فلسفی تھے در عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے شعبۂ فلسفہ کے صدر تھے دونوں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس طالب بن کر پہنچے کوئی مدرسی اور گروہی عصبیت حائل نہیں ہوئی وہ شہرت بھی حائل نہیں ہو سکی جو بہت بڑا فتنہ ہے۔ اور پھر اس طرح اپنے کو ڈال دیا کہ خود حضرت تھانویؒ نے فرمایا ـــ

از سلیمان گیر اخلاص و عمل — وار تو ندوی را منزہ از دغل

مجھے کم معلوم ہے کہ کسی شیخ نے اپنے ایک مسترشد کی اس طرح مدح کی ہو پھر ان کو اتنی جلدی خلافت عطا فرمائی کہ ان کے پرانے اصحاب کو تعجب ہوا ـــ جب حضرت تھانویؒ کا وصال ہوا اس وقت حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے ہوئے تھے اور سید صاحب بھی یہیں مقیم تھے۔ حضرت تھانویؒ کی وفات کا ان کو اس قدر رنج اور صدمہ تھا کہ بچوں کی طرح روتے تھے۔ گویا سایۂ پدری اٹھ گیا۔

اسی طرح مولانا عبدالباری صاحبؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے اپنے کو اصلاح کے لئے ایک ادنیٰ مرید کی طرح حضرت تھانویؒ کے حوالہ کر دیا تھا ان کا حال بالکل ایسا تھا کہ کالمیت فی ید الغسّال۔

بھائیو بس یہ دو سبق ہیں اہم مولانا عبدالباری صاحب کی زندگی سے یہ دو سبق ہیں۔ ایک تو محنت سے کمال درجہ قابلیت پیدا کرنا ـــ دوسرا سبق یہ ہے کہ بھائی سب کچھ کر لیجئے اور سب کچھ بن جائیے مگر کسی نے کہا ہے ـــ

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم — تا غلام شمس تبریزی نہ شد

یہ حقیقت ہے آج سمجھ لو جب بھی خوش قسمت ہو گا دو برس بعد سمجھ لو جب بھی خوش قسمت ہو اور اگر آخری عمر میں سمجھا تب بھی اچھا ہے۔ لیکن کچھ کرنے کا وقت نکل چکا ہو گا۔ نہ محنت کر سکو گے نہ کہیں آ جا سکو گے بس حسرت ہی حسرت رہے گی۔

بھائیو! پہلے ہمارے عربی مدارس میں عام رواج تھا، مجھے ان مدارس کی خوب تاریخ معلوم ہے۔ مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لطف اللہ علی گڑھیؒ کا حلقۂ درس اس وقت مرکز بنا ہوا تھا۔ ایران اور ترکستان تک کے ذہین اور جید الاستعداد طالب علم وہاں پڑھنے کے لئے آتے تھے۔ جو طالب علم وہاں پڑھتا تھا وہ گنج مراد آباد جاکر حضرت مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ سے روحانی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ اسی طرح دیوبند میں جو طالب علم پڑھتے تھے وہ سیدھے گنگوہ چلے جاتے تھے۔ جب حضرت گنگوہیؒ کا دور ختم ہوا تو پھر وہ رائے پور اور تھانہ بھون جاتے تھے ـــ اسی طرح حضرت مولانا عبدالحیؒ کے درس میں جو لوگ شریک ہوتے تھے وہ سیدھے گنج مراد آباد جاتے تھے۔

میں آپ لوگوں کو پیری مریدی کی دعوت نہیں دے رہا ہوں، حالانکہ پیری مریدی عیب نہیں ہے۔ اگر عیب ہوتا تو مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالباری جو اپنے وقت کے روشن خیالوں میں سب سے زیادہ روشن خیال تھے حضرت تھانویؒ سے جاکر بیعت نہ ہوتے۔ میں خود روشن خیال ہوں، روشن خیالوں نے جتنی دنیا دیکھی ہے اس سے بہت زیادہ میں نے دیکھی ہے۔ میں اس کے بعد بھی پیری مریدی کا قائل ہوں، اور عامل بھی ہوں۔ میں شرماتا نہیں ہوں، میں نے اس کو اپنے لئے ضروری سمجھا اور ضروری سمجھتا ہوں، اس کے باوجود میں اس وقت آپ کو پیری مریدی کی دعوت نہیں دے رہا ہوں میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اپنے نفس و روح کی بیماری اور اپنے ایمان و یقین کے ناقص ہونے کا احساس کرو۔

ابن ابی ملیکہ مشہور تابعی ہیں صحیح بخاری کی تعلیقات میں اُن کا یہ بیان ہے۔ "ادرکت ثلاثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما منھم احد الا ھو یخاف النفاق علی نفسہ" یعنی میں نے تیس ۳۰ صحابۂ کرام کو پایا، اور اللہ نے مجھے اُن کی صحبت نصیب فرمائی، میں نے ان میں سے ہر ایک کو اس حال میں دیکھا کہ وہ اپنے میں نفاق کا خطرہ محسوس کرتے تھے اور اس بات سے ڈرتے تھے کہ اللہ کے یہاں وہ منافقین میں نہ ہوں۔ بس میں یہی کہتا ہوں کہ اپنے اندر یہ فکر پیدا کرو اور روح اور دل کے علاج کی فکر کرو، وہی کامیاب ہے جو اپنی روح اور اپنے دل کا علاج کرے۔ اِلَّا مَن اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ـــ آخر میں دعائے مغفرت پر تقریر ختم ہوئی۔

معزز قارئین سے کئی ماہ سے پرچہ کی اشاعت میں بوجوہ تاخیر ہو رہی ہے تاہم ہماری سعی ہوتی ہے کہ درمیانی وقفہ ایک ماہ سے زیادہ نہ ہو مہینوں کے لحاظ سے قارئین کو کچھ بے ترتیبی محسوس ہو رہی ہے مگر ہماری گذارش ہے کہ پرچہ کی ترتیب مہینوں سے نہیں رسالہ پر لکھے ہوئے نمبر شمار سے لگایا کریں بعض دفعہ رسالہ پر مہینے کا نام دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ مجھے ہی تاخیر سے بھیجا گیا حالانکہ پرچہ آتے ہی بیک وقت ایک ہی دن میں سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ یہ پرچہ صفحات بڑھا کر شائع کیا جا رہا ہے کہ انتظار کی تلافی ہو سکے۔ بہت سے قارئین نہ خریداری نمبر لکھتے ہیں نہ منی آرڈر کوپن پر وضاحت سے کچھ لکھتے ہیں آئندہ ایسے حضرات سے الحق اپنا تعلق برقرار رکھنے سے معذور ہوگا۔ (ادارہ)

© rasailojaraid.com